باب (۷)

دعوت عام کی ابتدا

پچھلے دو ابواب میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس سے یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آجاتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین سال کی خفیہ دعوت کے بعد جب علی الاعلان اسلام کی تبلیغ شروع کی تو اس پر قریش اور عام اہل عرب کے اس قدر بگھلا جانے کی وجہ کیا تھی؟ اور کیوں وہ آپ کے مقابلے میں شدید مخالفت و مزاحمت اور عداوت و شقاوت پر تل گئے۔ اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی اس بحث سے بخوبی معلوم ہوجاتی ہے کہ اسلام کی یہ دعوت دلائل اور اخلاق کے کیسے زبردست ہتھیاروں سے مسلح ہو کر اٹھی تھی کہ اس کے سامنے پرانی جاہلیت اپنی ساری تدبیروں، چال بازیوں اور ظلم وستم کے باوجود بے بس ہو کر رہ گئی۔ اب ہم تاریخی بیان کا سلسلہ پھر اسی مقام سے جوڑتے ہیں جہاں ہم نے اسے چوتھے باب میں چھوڑا تھا۔

اسلام کا اولین اظہار اگرچہ مورخین اور اہل سیر نے کہیں اس بات کی صراحت نہیں کی ہے، لیکن قرآن مجید میں سورۂ علق کی ابتدائی پانچ آیتوں کے بعد جس طرح یکایک آیت ۶ سے ۱۹ تک یہ واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک شخص نے اللہ کے ایک بندے کو نماز پڑھنے سے منع کیا اور دھمکیاں دے کر اسے روکنا چاہا، اور احادیث کی معتبر کتابوں میں اس واقعہ کی جو تشریح کی گئی ہے کہ وہ نماز پڑھنے والے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور آپ کو روکنے والا ابو جہل تھا، اس پر غور کرنے سے یہ بات صاف معلوم ہوتی ہے کہ حضورؐ نے اپنے دین کا اظہار سب سے پہلے حرم میں اسلامی طریقے پر نماز پڑھ کر کیا۔ اس وقت تک مسلمان چھپ کر نماز پڑھا کرتے تھے اور کوئی حرم کعبہ تو درکنار، کسی کھلی جگہ پر بھی علانیہ نماز پڑھنے کی جرات نہ کر سکتا تھا۔ صرف ایک دفعہ مکہ کی گھاٹیوں میں سے ایک سنسان گھاٹی میں حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کے ساتھ نماز پڑھتے ہوئے مشرکین نے مسلمانوں کو دیکھ لیا تھا تو اس پر مار کٹائی کی نوبت آگئی تھی، جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ کا یہ ارادہ ہوا کہ اسلام کا کھلم کھلا اظہار کیا جائے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی خوف اور جھجک کے بغیر حرم میں جا کر نماز پڑھنی شروع

کر دی جس کی ہمت آپ کے سوا کوئی اور نہ کر سکتا تھا۔

اِسی چیز سے قریش کے عام لوگوں نے پہلی مرتبہ محسوس کیا کہ آپ کا دین اُن کے دین سے بدل گیا ہے۔ دوسرے دیکھنے والے تو اس پر حیران ہی تھے، مگر ابوجہل کی رگِ جاہلیت اس پر پھڑک اُٹھی اور اس نے آپ کو دھمکیاں دے کر اس سے روکنے کی کئی مرتبہ کوشش کی۔ حضرت ابوہریرہؓ کا بیان ہے کہ ابوجہل نے قریش کے لوگوں سے پوچھا "کیا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے سامنے زمین پر اپنا منہ ٹکاتے ہیں؟" لوگوں نے کہا ہاں۔ اس نے کہا "لات اور عزّیٰ کی قسم، اگر میں نے ان کو اس طرح نماز پڑھتے ہوئے دیکھ لیا تو ان کی گردن پر پاؤں رکھ دوں گا اور ان کا منہ زمین پر رگڑ دوں گا۔" پھر ایسا ہوا کہ حضور کو نماز پڑھتے دیکھ کر وہ آگے بڑھا تاکہ آپ کی گردن پر پاؤں رکھے، مگر یکایک لوگوں نے دیکھا کہ وہ پیچھے ہٹ رہا ہے اور اپنا منہ کسی چیز سے بچانے کی کوشش کر رہا ہے۔ اُس سے پوچھا گیا کہ یہ تجھے کیا ہو گیا؟ اس نے کہا میرے اور ان کے درمیان آگ کی ایک خندق اور ایک ہولناک چیز تھی اور کچھ پر تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر وہ میرے قریب پھٹکتا تو ملائکہ اس کے چیتھڑے اُڑا دیتے۔ (احمد، مسلم، نسائی، ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابن المنذر، ابن مردویہ، ابونُعیم اصفہانی، بیہقی)۔

ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ ابوجہل نے کہا اگر میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو کعبہ کے پاس نماز پڑھتے دیکھ لیا تو اُن کی گردن پاؤں تلے دبا دوں گا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا کہ اگر اس نے ایسا کیا تو ملائکہ علانیہ اُسے آپکڑیں گے (بخاری، ترمذی، نسائی، ابن جریر، عبدالرزاق، عبد بن حُمید، ابن المنذر، ابن مردویہ)۔

ابن عباسؓ کی ایک اور روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقام ابراہیم پر نماز پڑھ رہے تھے۔ ابوجہل کا اُدھر سے گزر ہوا تو اُس نے کہا "اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)، کیا میں نے تم کو اس سے منع نہیں کیا تھا؟" اور اس نے آپ کو دھمکیاں دینی شروع کیں۔ جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو سختی کے ساتھ جھڑک دیا۔ اِس پر اُس نے کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)، تم کس بل پر مجھے ڈراتے ہو۔ خدا کی قسم، اس وادی میں میرے حامی سب سے زیادہ ہیں۔ (احمد، ترمذی، نسائی، ابن جریر، ابن ابی شیبہ، ابن المنذر، طبرانی، ابن مردویہ)

اس کے بعد قریش کے دوسرے لوگ بھی ہجوم کر کے آپ کو حرم میں نماز پڑھنے سے روکنے کی کوشش کرتے رہے۔ مگر وہ آپ کو اس سے باز رکھنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے وَاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا۔ "اور یہ کہ جب اللہ کا بندہ اس کو پکارنے کے لیے کھڑا ہوا تو

لوگ اس پر ٹوٹ پڑنے کے لیے تیار ہو گئے" (الجن - ۱۹) - یہاں بھی مفسرین نے "اللہ کے بندے" سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہی مراد لی ہے ۔ اور یہ آیت بتاتی ہے کہ حضورؐ نے علانیہ نماز پڑھنے کا سلسلہ نہ چھوڑا اگرچہ ابوجہل کے علاوہ قریش کے دوسرے لوگ بھی آپ پر ٹوٹ پڑنے کے لیے تیار ہوتے رہے ۔

اپنے قریب ترین خاندان والوں کو دعوت دوسرا قدم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اٹھایا کہ اپنے قریب ترین خاندان والوں کو اللہ تعالیٰ کے حکم وَ اَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ (الشعراء ۲۱۴) کے مطابق اپنے ہاں مدعو کیا جن میں بنی عبدالمطلب اور بنی ہاشم کے علاوہ کچھ بنی المطّلب اور بنی عبدِ مناف بھی تھے - بلاذُری اور ابن اثیر کا بیان ہے کہ اس دعوت میں جملہ ۴۵ آدمی شریک ہوئے - مگر قبل اس کے کہ حضورؐ اپنی بات کہتے، ابولہب بول اٹھا کہ" یہ تمہارے چچا اور چچازاد بھائی موجود ہیں - جو کچھ چاہو کہو، مگر دین سے پھرنے کی بات نہ کرو - تم کو جان لینا چاہیے کہ تمہاری قوم تمام عرب سے لڑنے کی طاقت نہیں رکھتی - اور تمہارا ہاتھ پکڑنے اور تمہیں روکنے کے سب سے زیادہ حق دار تمہارے اپنے خاندان کے لوگ ہیں - اگر تم اس کام پر قائم رہے جو تم کر رہے ہو تو تمہیں روکنا اُن کے لیے اِس سے زیادہ ہلکی بات ہے کہ تم پر قریش کے دوسرے خاندان ٹوٹ پڑیں اور عرب اُن کی مدد کریں - میں نے کوئی شخص ایسا نہیں دیکھا جو اپنے خاندان والوں پر اِس سے زیادہ سخت آفت لایا ہو جو تم لے آئے ہو" اس طرح ابولہب نے پہلی مجلس کو خراب کر دیا - دوسرے روز حضورؐ نے پھر خاندان والوں کو بلایا اور ان کے سامنے اپنی دعوت پیش کی - جنابِ ابوطالب نے کہا کہ" میں دینِ عبدالمطلب کو تو نہیں چھوڑنا چاہتا، مگر جس کام کا تم کو حکم دیا گیا ہے اسے تم کرو اور میں تمہاری حمایت و حفاظت کروں گا" ابولہب بولا" خدا کی قسم یہ بہت بُری بات ہے - اِس کا ہاتھ پکڑو قبل اس کے کہ دوسرے اِس کو پکڑیں" ابوطالب نے کہا کہ" خدا کی قسم ہم اس کی حفاظت کریں گے جب تک ہماری جان میں جان ہے " یہ روایت بلاذری اور ابن اثیر نے جعفر بن عبداللہ بن ابی الحکم کے حوالہ سے نقل کی ہے جو ایک ثقہ راوی ہیں (انساب الاشراف، البلاذری جلد اوّل ص ۱۱۸ - ۱۱۹، تاریخ الکامل لابن اثیر ج ۲ ص ۴۰ - ۴۱) -

معتبر روایات میں آیا ہے کہ اس موقع پر حضورؐ نے جو تقریر فرمائی تھی اس میں نام لے کر فرمایا یا بنی عبدالمطلب، یا عباس، یا صفیة عمة رسول اللہ، یا فاطمة بنت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)، انقذوا انفسکم من النار فانی لا املك لکم من اللہ شیئًا، سلونی من مالی ما شئتم۔" اے اولادِ عبدالمطلب، اے عباس، اے صفیہ رسول اللہ کی پھوپھی، اے فاطمہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیٹی، تم لوگ اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچاؤ، کیونکہ میں اللہ کی پکڑ سے تم کو بچانے کا کوئی اختیار نہیں رکھتا، البتہ میرے مال میں سے تم جو چاہو مجھ سے مانگ

سکتے ہو۔" یہ صرف رشتہ داروں کو دعوتِ حق ہی نہیں تھی، بلکہ اس میں اِس بات کا اظہار بھی تھا کہ خدا کا دین بے لاگ ہے۔ اُس میں نبی تک کی ذات اور اس کے قریب ترین عزیزوں کے لیے بھی رعایت کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ یہاں جس کے سامنے بھی کوئی معاملہ ہے اس کے اوصاف (MERITS) کے لحاظ سے ہے۔ کسی کا نسب اور کسی کے ساتھ آدمی کا تعلق کوئی نفع نہیں پہنچا سکتا۔ گمراہی و بدعملی پر خدا کے عذاب کا خوف سب کے لیے یکساں ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ اور سب تو ان چیزوں پر پکڑے جائیں مگر نبی کے رشتہ دار بچے رہ جائیں۔ اِسی اصول کو واضح کرنا چونکہ مقصود تھا اس لیے حضورؐ نے اِس خطاب میں خود اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ کا نام بھی لیا، حالانکہ اُن کی عمر اُس وقت دو ڈھائی سال سے زیادہ نہ تھی۔ ظاہر ہے کہ وہ سرے سے مُکلّف ہی نہ تھیں کہ ان کے بارے میں کسی عذاب یا ثواب کا سوال پیدا ہوتا۔ لیکن مقصودِ کلام اس حقیقت کو واضح کرنا تھا کہ دین میں نبی اور اس کے خاندان کے لیے کوئی امتیازی مراعات نہیں ہیں جن سے دوسرے محروم ہوں۔ جو چیز زہر قاتل ہے وہ سب ہی کے لیے قاتل ہے، نبی کا کام یہ ہے کہ سب سے پہلے اس سے خود بچے اور اپنے قریبی لوگوں کو اس سے ڈرائے، پھر ہر خاص و عام کو متنبہ کر دے کہ جو بھی اسے کھائے گا ہلاک ہو جائے گا۔ اور جو چیز نافع ہے وہ سب ہی کے لیے نافع ہے، نبی کا منصب یہ ہے کہ سب سے پہلے اسے خود اختیار کرے اور اپنے عزیزوں کو اس کی تلقین کرے تاکہ ہر شخص دیکھ لے کہ یہ وعظ و نصیحت دوسروں ہی کے لیے نہیں ہے، بلکہ نبی اپنی دعوت میں مخلص ہے، خود اُس پر عمل کرتا ہے اور اپنے عزیزوں کو اس پر عمل کی تلقین کرتا ہے۔

قریش کے تمام خاندانوں کو دعوت

اس کے بعد تیسرا قدم آپؐ نے یہ اُٹھایا کہ ایک روز صبح سویرے صفا کے سب سے اُونچے مقام پر کھڑے ہو کر بلند آواز سے پکارا "یا صباحاہ (ہائے صبح کا خطرہ) اے قریش کے لوگو، اے بنی کعب بن لُوَیّ، اے بنی مُرّہ، اے آلِ قُصَیّ، اے بنی عبدِمناف، اے بنی عبد شمس، اے بنی ہاشم، اے آلِ عبدالمطلب"۔ اسی طرح قریش کے ایک ایک قبیلے اور خاندان کا نام لے کر آپ نے آواز دی۔ عرب میں قاعدہ تھا کہ جب صبح تڑکے کسی اچانک حملے کا خطرہ ہوتا تو جس شخص کو بھی اس کا پتہ چل جاتا وہ اسی طرح پکارنا شروع کر دیتا اور لوگ اس کی آواز سُنتے ہی ہر طرف سے دوڑ پڑتے۔ چنانچہ حضورؐ کی آواز پر سب لوگ گھروں سے نکل آئے اور جو خود نہ آ سکا اس نے اپنی طرف سے کسی کو خبر لانے کے لیے بھیج دیا۔ جب سب لوگ جمع ہو گئے تو آپ نے فرمایا: " لوگو، اگر میں تمہیں بتاؤں کہ اس پہاڑ کی دوسری طرف ایک بھاری لشکر ہے جو تم پر ٹوٹ پڑنا چاہتا ہے تو تم میری بات کو سچ مانو گے؟" سب نے کہا: " ہاں، ہمارے تجربے میں تم کبھی جھوٹ

بولنے والے نہیں رہے ہو"۔ آپؐ نے فرمایا، "اچھا تو میں خدا کا سخت عذاب آنے سے پہلے تم کو خبردار کرتا ہوں۔ اپنی جانوں کو اس کی پکڑ سے بچانے کی فکر کرو۔ میں خدا کے مقابلے میں تمہارے کسی کام نہیں آسکتا۔ قیامت میں میرے رشتہ دار صرف متقی ہوں گے۔ ایسا نہ ہو کہ دوسرے لوگ نیک اعمال لے کر آئیں اور تم لوگ دنیا کا وبال سر پہ اٹھائے ہوئے آؤ۔ اس وقت تم پکارو گے یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)، مگر میں مجبور ہوں گا کہ تمہاری طرف سے منہ پھیر لوں۔ البتہ دنیا میں میرا اور تمہارا خون کا رشتہ ہے اور یہاں میں تمہارے ساتھ ہر طرح کی صلۂ رحمی کروں گا"۔

(اس مضمون کی متعدد روایات بخاری، مسلم، مُسند احمد، ترمذی، نسائی، اور تفسیر ابن جریر میں حضرت عائشہؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ، حضرت زُہیرؓ بن عمرو اور حضرت قبیصہؓ بن مُخارق سے مروی ہیں)۔

ابن عباسؓ سے متعدد سندوں کے ساتھ یہ روایت محدثین نے نقل کی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوتِ عام پیش کرنے کا حکم دیا گیا اور قرآن مجید میں یہ ہدایت نازل ہوئی کہ آپؐ اپنے قریب ترین عزیزوں کو سب سے پہلے خدا کے عذاب سے ڈرائیں" تو آپ نے صبح سویرے کوہ صفا پر چڑھ کر بلند آواز سے پکارا یا صباحاہ (ہائے صبح کی آفت) عرب میں یہ صدا وہ شخص لگاتا تھا جو صبح کے جھٹ پٹے میں کسی دشمن کو اپنے قبیلے پر حملہ کرنے کے لیے آتے دیکھ لیتا تھا۔ حضورؐ کی یہ آواز سن کر لوگوں نے دریافت کیا کہ یہ کون پکار رہا ہے۔ بتایا گیا کہ یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آواز ہے۔ اس پر قریش کے تمام خاندانوں کے لوگ آپ کی طرف دوڑ پڑے۔ جو خود آسکتا تھا وہ خود آیا، اور جو نہ آسکتا تھا اس نے اپنی طرف سے کسی کو بھیج دیا۔ جب سب جمع ہو گئے تو آپ نے قریش کے ایک ایک خاندان کا نام لے لے کر پکارا، "اے بنی ہاشم، اے بنی عبدالمطلب، اے بنی فہر، اے بنی فلاں اے بنی فلاں، اگر میں تمہیں یہ بتاؤں کہ پہاڑ کے پیچھے ایک لشکر تم پر حملہ کرنے کے لیے تیار ہے تو تم میری بات کو سچ مانو گے"؟ لوگوں نے کہا "ہاں، ہمیں کبھی تم سے جھوٹ سننے کا تجربہ نہیں ہوا ہے"۔ آپ نے فرمایا "تو میں تمہیں خبردار کرتا ہوں کہ آگے سخت عذاب آ رہا ہے"۔ اس پر قبل اس کے کہ کوئی اور بولتا، حضورؐ کے اپنے چچا ابولہب نے کہا تَبًّا لَكَ أَلِهَٰذَا جمعتنا "ستیاناس جائے تیرا، کیا اس لیے تو نے ہمیں جمع کیا تھا؟" ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ اس نے پتھر اٹھایا تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کھینچ مارے (مُسند احمد، بخاری، مسلم، ترمذی، ابن جریر)۔

ابن سعد نے ابن عباسؓ کی جو روایت نقل کی ہے اس میں یہ الفاظ ہیں کہ کوہ صفا پر حضورؐ نے قریش کے لوگوں کو خطاب کر کے فرمایا کہ "اللہ نے مجھے اپنے قریب ترین عزیزوں کو خبردار کرنے کا حکم دیا ہے، اور تم قریش کے لوگ

میرے اقارب ہو۔ میں تم کو اللہ سے کچھ دلوانے اور آخرت میں تمہیں کسی حصہ سے بہرہ ور کرانے کا اختیار نہیں رکھتا الاّ یہ کہ تم لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ کے قائل ہو جاؤ۔ تب میں تمہارے رب کے ہاں تمہارے حق میں اس کی شہادت دوں گا، اور اس کلمہ کی بدولت عرب تمہارے تابع اور عجم تمہارے مطیع ہو جائیں گے"۔ اس پر ابولہب بول اٹھا "ناس جائے تیرا، کیا اسی لیے تو نے ہمیں جمع کیا تھا؟"

ابولہب کا کردار اِس طرح ابولہب[1] نے اوّل روز ہی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت پر کمر باندھ لی اور مرتے دم تک وہ آپ کے ساتھ، اور آپ کی وجہ سے خود اپنے خاندان کے ساتھ ایسی شدید دشمنی کرتا رہا جو کوئی بدتر سے بدتر دشمن کرسکتا تھا۔ اگرچہ بنی ہاشم میں سے ایک اور شخص ابوسفیان بن الحارث بن عبدالمطلب بھی حضورؐ کا مخالف ہو گیا تھا، مگر اوّل تو اس کی مخالفت اِس سے زیادہ نہ تھی کہ وہ بیس[2] سال تک آپ کی اور آپ کے اصحاب کی ہجو میں اشعار کہتا رہا، اور ہجرت کے بعد لڑائیوں میں آپ کے خلاف شریک ہوتا رہا۔ دوسرے اُس میں اور ابولہب میں سب سے بڑا فرق یہ تھا کہ آخر کار اس کا دل اسلام کا قائل ہو گیا، چنانچہ قبل اس کے کہ مکہ فتح ہوتا وہ خود اپنے بال بچوں کو لے کر اَبْواء کے مقام پر آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کرلی (رضی اللہ عنہ)۔ لیکن ابولہب کا معاملہ بالکل مختلف تھا۔ اس نے نہ صرف انسانیت کی بلکہ عرب کی معروف و مسلّم اخلاقی روایات کی

---

[1] اِس شخص کا اصل نام عبدالعُزّٰی بن عبدالمطلب تھا اور اس کی کُنیت ابو عُتبہ تھی۔ لیکن اس کے چمکتے ہوئے سُرخ و سفید رنگ کی وجہ سے یہ ابولہب (شعلہ رُو) مشہور ہو گیا۔ ابن سعد کا بیان ہے کہ خود عبدالمطلب اسے ابولہب کہتے تھے، اس لیے یہ نام ایسا مشہور ہوا کہ اصل نام اس کے نیچے دب گیا۔

[2] طبقات ابن سعد، طبع بیروت۔ جلد ۴ ص ۴۹-۵۰۔ ابن سعد نے لکھا ہے کہ یہ صاحب حضورؐ کے چچا زاد بھائی بھی تھے اور حلیمہ سعدیہ کا دُودھ پینے کی وجہ سے دُودھ شریک بھی۔ جاہلیت کے زمانے میں آپؐ سے بڑی محبت کرتے تھے، مگر بعثت کے بعد سخت مخالف ہو گئے تھے۔ بلاذُری نے انساب الاشراف (جلد اوّل ص ۲۹۱ طبع مصر) میں بھی قریب قریب یہی کچھ لکھا ہے۔ البتہ اس میں یہ اضافہ ہے کہ حضرت عباسؓ کی سفارش پر حضورؐ نے ان کو معاف فرمایا۔ نیز اس میں اَبْواء پر ان کی حاضری کو ایک کمزور قول کی حیثیت سے بیان کیا گیا ہے، اور ترجیح اس قول کو دی گئی ہے کہ یہ عفو تقصیر کی درخواست لے کر نِیقُ العُقاب (مکہ اور مدینے کے درمیان جُحفہ کے قریب ایک مقام) پر حاضر ہوئے تھے۔ یاقوت نے بھی مُعجَمُ البُلدان میں یہی روایت نقل کی ہے۔ بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ حضرت اُمِّ سَلَمہؓ کی سفارش پر ان کی معافی ہوئی تھی۔

بھی ساری حدیں توڑ ڈالیں اور حضورؐ کی دشمنی میں آدمیت و شرافت سے گذر کر کمینہ پن پر اُتر آیا۔ درانحالیکہ آپ کا اور اس کا خون کا رشتہ تھا اور رشتہ داری کی وجہ سے اس کی مخالفت، دوسروں کی مخالفت کی بہ نسبت دین کی راہ میں بڑی رکاوٹ بن رہی تھی۔

یہی وجہ ہے کہ اُس وقت کے تمام اعدائے اسلام میں سے صرف ابولہب ہی ایک شخص ہے جس کا نام لے کر قرآن مجید میں اُس کی مذمّت کی گئی ہے حالانکہ مکہ میں بھی اور ہجرت کے بعد مدینے میں بھی بہت سے ایسے لوگ تھے جو اسلام اور محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کی عداوت میں اس سے کسی طرح کم نہ تھے۔ سوال یہ ہے کہ اس شخص کی وہ کیا خصوصیّت تھی جس کی بنا پر قرآن میں اس کا نام لے کر اس پر اظہار غضب کیا گیا؟ اس بات کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ اُس وقت کے عربی معاشرے کو سمجھا جائے اور اس پس منظر میں ابولہب کے کردار کو دیکھا جائے۔

قرآن میں ابولہب کا نام لے کر اس کی مذمت کرنے کی وجہ قدیم زمانے میں چونکہ پورے ملکِ عرب میں ہر طرف بدامنی، غارت گری اور طوائف الملوکی پھیلی ہوئی تھی، اور صدیوں سے حالت یہ تھی کہ کسی شخص کے لیے اُس کے اپنے خاندان اور خونی رشتہ داروں کی حمایت کے سوا جان و مال اور عزت و آبرو کے تحفظ کی کوئی ضمانت نہ تھی۔ اس لیے عربی معاشرے کی اخلاقی قدروں میں صلۂ رحمی (یعنی رشتہ داروں کے ساتھ حسنِ سلوک) کو بڑی اہمیت حاصل تھی، اور قطعِ رحمی کو بہت بڑا پاپ سمجھا جاتا تھا۔ عرب کی اِنہی روایات کا یہ اثر تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم جب اسلام کی دعوت لے کر اُٹھے تو قریش کے دوسرے خاندانوں اور ان کے سرداروں نے تو حضورؐ کی شدید مخالفت کی، مگر بنی ہاشم اور بنی المطّلِب (ہاشم کے بھائی مُطّلِب کی اولاد) نے نہ صرف یہ کہ آپ کی مخالفت نہیں کی، بلکہ وہ کھُلّم کھُلّا آپ کی حمایت کرتے رہے، حالانکہ ان میں سے اکثر لوگ آپ کی نبوت پر ایمان نہیں لائے تھے۔ قریش کے دوسرے خاندان خود بھی حضورؐ کے اِن خونی رشتہ داروں کی حمایت کو عرب کی اخلاقی روایات کے عین مطابق سمجھتے تھے، اسی وجہ سے انہوں نے کبھی بنی ہاشم اور بنی المُطّلِب کو یہ طعنہ نہیں دیا کہ تم ایک دوسرا دین پیش کرنے والے شخص کی حمایت کر کے اپنے دینِ آبائی سے منحرف ہوگئے ہو۔ وہ اس بات کو جانتے اور سمجھتے تھے کہ اپنے خاندان کے ایک فرد کو وہ کسی حالت میں اُس کے دشمنوں کے حوالے نہیں کر سکتے، اور اُن کا اپنے عزیز کی پُشتیبانی کرنا قریش اور اہلِ عرب، سب کے نزدیک بالکل ایک فطری امر تھا۔

اِس اخلاقی اصول کو، جسے زمانہ جاہلیّت میں بھی عرب کے لوگ واجب الاحترام سمجھتے تھے، صرف ایک شخص نے اسلام کی دشمنی میں توڑ ڈالا، اور وہ تھا ابولہب بن عبدالمطّلِب۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا

چچا تھا۔ حضورؐ کے والد ماجد اور یہ ایک ہی باپ کے بیٹے تھے اگرچہ مائیں دونوں کی مختلف تھیں۔ عرب میں چچا کو باپ کی جگہ سمجھا جاتا تھا، خصوصاً جبکہ بھتیجے کا باپ وفات پا چکا ہو تو عربی معاشرے میں چچا سے یہ توقع کی جاتی تھی کہ وہ بھتیجے کو اپنی اولاد کی طرح عزیز رکھے گا۔ لیکن اس شخص نے اسلام کی دشمنی اور کفر کی محبت میں ان تمام عربی روایات کو پامال کر دیا۔

حضورؐ کا بدترین ہمسایہ مکہ میں ابولہب حضورؐ کا قریب ترین ہمسایہ تھا۔ دونوں کے گھر ایک دیوار بیچ واقع تھے۔ اس کے علاوہ حکم بن عاص (مروان کا باپ)، عُقبہ بن ابی مُعَیط، عَدِی بن حَمْراءِ الثَّقَفِی اور ابن الاَصداءِ الہُذَلی بھی آپ کے ہمسایے تھے[1]۔ یہ لوگ گھر میں بھی حضورؐ کو چین نہیں لینے دیتے تھے۔ آپ کبھی نماز پڑھ رہے ہوتے تو یہ اوپر سے بکری کا اوجھ آپ پر پھینک دیتے۔ کبھی صحن میں کھانا پک رہا ہوتا تو یہ ہنڈیا پر غلاظت پھینک دیتے۔ حضورؐ باہر نکل کر ان لوگوں سے فرماتے "اے بنی عبد مناف یہ کیسی ہمسائیگی ہے؟" ابولہب کی بیوی (اُمِّ جمیل، ابوسفیان کی بہن) نے تو یہ مستقل وتیرہ ہی اختیار کر رکھا تھا کہ راتوں کو آپ کے گھر کے دروازے پر خاردار جھاڑیاں لا کر ڈال دیتی، تاکہ صبح سویرے جب آپؐ یا آپؐ کے بچے باہر نکلیں تو کوئی کانٹا پاؤں میں چبھ جائے۔ (بیہقی، ابن ابی حاتم، ابن جریر، ابن عساکر، بلاذری، ابن ہشام)

حضورؐ کی صاحبزادیوں کو اپنے بیٹوں سے طلاق دلوانا نبوت سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیاں ابولہب کے دو بیٹوں عُتبہ اور عُتَیبہ سے بیاہی ہوئی تھیں[2]۔ نبوت کے بعد جب حضورؐ نے اسلام کی طرف دعوت دینی شروع کی تو اس شخص نے اپنے دونوں بیٹوں سے کہا کہ میرے لیے تم سے ملنا حرام ہے اگر تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیٹیوں کو طلاق نہ دے دو۔ چنانچہ دونوں نے طلاق دے دی۔ اور عُتَیبہ تو جہالت میں اس قدر

---

[1] ابن سعد کا بیان ہے کہ ان میں سے بھی ابولہب اور عُقبہ زیادہ قریبی ہمسائے تھے۔ چنانچہ وہ حضرت عائشہؓ کی روایت نقل کرتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا میں دو بدترین ہمسایوں کے درمیان تھا، ایک ابولہب، دوسرے عُقبہ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ کا مکان مکہ میں ان دونوں کے گھروں کے درمیان واقع تھا۔

[2] طبرانی میں قتادہ کی روایت ہے کہ حضرت اُمِّ کلثومؓ کا نکاح عُتَیبہ سے اور حضرت رُقیّہؓ کا عُتبہ سے ہوا تھا۔ ابن قُتَیبہ نے المعارف میں اور سُہَیلی نے روض الاُنُف میں بھی یہی لکھا ہے۔ مگر ابن اسحاق نے شک کے ساتھ بیان کیا ہے کہ عُتبہ کا نکاح حضرت رقیہؓ کے ساتھ ہوا تھا یا حضرت اُمِّ کلثوم کے ساتھ۔ زرقانی نے شرح مواہب میں اور طبری نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ ابھی رخصتی کی نوبت نہ آئی تھی کہ ابولہب نے دونوں صاحبزادیوں کو طلاق دلوا دی۔ اس کے بعد حضورؐ نے حضرت رقیہؓ کا نکاح حضرت عثمانؓ سے کر دیا۔

آگے بڑھ گیا کہ ایک روز حضورؐ کے سامنے آکر اس نے کہا کہ میں اَلنَّجْمِ اِذَا هَوٰى اور اَلَّذِيْ دَنَا فَتَدَلّٰى کا انکار کرتا ہوں، اور یہ کہہ کر اس نے حضورؐ کی طرف تھوکا جو آپ پر نہیں پڑا۔ حضورؐ نے فرمایا خدایا، اس پر اپنے کتوں میں سے ایک کتے کو مسلط کردے۔ اِس کے بعد عُتَیبہ اپنے باپ کے ساتھ شام کے سفر پر روانہ ہوگیا۔ دورانِ سفر میں ایک ایسی جگہ قافلے نے پڑاؤ کیا جہاں مقامی لوگوں نے بتایا کہ راتوں کو درندے آتے ہیں۔ ابولہب نے اپنے ساتھی اہلِ قریش سے کہا کہ میرے بیٹے کی حفاظت کا کچھ انتظام کرو، کیونکہ مجھے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بددعا کا خوف ہے[1]۔ اس پر قافلے والوں نے عُتَیبہ کے گرد ہر طرف اپنے اونٹ بٹھادیے اور پڑ کر سو رہے۔ رات کو ایک شیر آیا اور اونٹوں کے حلقے میں سے گذر کر اس نے عُتَیبہ کو پھاڑ کھایا (اَلاِسْتِیعاب لابن عبدالبَر، الاِصابہ لابن حجر، اَنساب الاَشراف للبلاذُری، دلائل النبوۃ لابی نُعیم الاصفہانی، رَوضُ الاُنُف للسُّہَیلی۔ روایات میں یہ اختلاف ہے کہ بعض راوی طلاق کے معاملے کو اعلانِ نبوت کے بعد کا واقعہ بیان کرتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ یہ تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ کے نزول کے بعد پیش آیا تھا۔ اِس امر میں بھی اختلاف کیا گیا ہے کہ یہ ابولہب کا بیٹا عُتبہ تھا یا عُتَیبہ۔ لیکن یہ بات ثابت ہے کہ فتح مکہ کے بعد عُتبہ نے اسلام قبول کرکے حضورؐ کے دست مبارک پر بیعت کی۔ اس لیے صحیح بات یہی ہے کہ یہ لڑکا عُتَیبہ تھا)۔

حضورؐ کے صاحبزادے کی وفات پر اظہارِ مسرت کرنا اُس کے خبثِ نفس کا یہ حال تھا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت قاسمؓ کے بعد دوسرے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ کا بھی انتقال ہوگیا تو یہ اپنے بھتیجے کے غم میں شریک ہونے کے بجائے خوشی خوشی دوڑا ہوا قریش کے سرداروں کے پاس پہنچا اور اُن کو خبر دی کہ لو آج محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بے نام و نشان ہوگئے۔

دعوتِ اسلامی کے کام میں رکاوٹیں ڈالنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جہاں جہاں بھی اسلام کی دعوت دینے کے لیے تشریف لے جاتے، یہ آپ کے پیچھے پیچھے جاتا اور لوگوں کو آپ کی بات سننے سے روکتا۔ رَبیعہؓ بن عَبّاد (یا عِباد) الدِّیلی[2] بیان کرتے ہیں کہ میں نوعمر تھا جب اپنے باپ کے ساتھ ذو المَجاز کے بازار میں گیا۔ وہاں میں نے

---

[1] اس کے معنی یہ ہیں کہ کم بخت دل میں آپ کی بزرگی کا بھی قائل تھا اور ڈرتا تھا کہ آپ کی زبان مبارک سے نکلی ہوئی بددعا رائگاں نہیں جاسکتی۔

[2] ابن اسحاق نے عِباد اور ابن ہشام نے عَبّاد لکھا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ کہہ رہے تھے "لوگو، کہو اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، فلاح پاؤگے"۔ آپ کے پیچھے پیچھے ایک شخص کہتا جا رہا تھا کہ "یہ جھوٹا ہے، دینِ آبائی سے پھر گیا ہے"۔ میں نے پوچھا یہ کون شخص ہے؟ لوگوں نے کہا یہ اِن کا چچا ابولہب ہے (مُسند احمد، طبرانی، بیہقی)۔ دوسری روایت انہی حضرت ربیعہ سے یہ ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ ایک ایک قبیلے کے پڑاؤ پر جاتے ہیں اور فرماتے ہیں "اے بنی فلاں، میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں، تمہیں ہدایت کرتا ہوں کہ صرف اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ تم میری تصدیق کرو اور میرا ساتھ دو تاکہ میں وہ کام پورا کروں جس کے لیے اللہ نے مجھے بھیجا ہے"۔ آپ کے پیچھے پیچھے ایک اور شخص آتا ہے اور وہ کہتا ہے کہ "اے بنی فلاں، یہ تم کو لات اور عزّیٰ سے پھیر کر اُس بدعت اور گمراہی کی طرف لے جانا چاہتا ہے جسے یہ لے کر آیا ہے۔ اِس کی بات ہرگز نہ مانو اور اس کی پیروی نہ کرو"۔ میں نے اپنے باپ سے پوچھا یہ کون ہے۔ انہوں نے کہا یہ اِن کا چچا ابولہب ہے (مُسند احمد، طبرانی، ابن ہشام۔ طبری)۔ طارق بن عبداللہ المحاربی کی روایت بھی اِسی سے ملتی جلتی ہے۔ وہ کہتے ہیں میں نے ذوالمجاز کے بازار میں دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بآوازِ بلند پکارتے جا رہے ہیں کہ "لوگو، لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ کہو، فلاح پاؤگے"۔ اور پیچھے پیچھے ایک شخص چل رہا ہے جو آپ کو پتھر مارے جاتا ہے، یہاں تک کہ آپ کی ایڑیاں خون سے تر ہو گئی ہیں، اور وہ کہتا جاتا ہے کہ "یہ جھوٹا ہے، اس کی بات نہ مانو"۔ میں نے لوگوں سے پوچھا یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا یہ ان کا چچا ابولہب ہے (ابن ابی شیبہ، ابویعلیٰ، ابن حبّان، حاکم، طبرانی۔ اس روایت کو نسائی اور ابن ماجہ نے بھی مختصراً نقل کیا ہے)۔

شِعبِ ابی طالب کے محاصرے میں اُس کا رویہ نبوت کے ساتویں سال جب قریش کے تمام خاندانوں نے بنی ہاشم اور بنی المطلب کا معاشرتی اور معاشی مُقاطعہ کیا اور یہ دونوں خاندان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت پر ثابت قدم رہتے ہوئے شِعبِ ابی طالب میں محصور ہو گئے تو تنہا یہی ابولہب تھا جس نے اپنے خاندان کا ساتھ دینے کے بجائے کفارِ قریش کا ساتھ دیا۔ یہ مقاطعہ تین سال تک جاری رہا اور اِس دوران میں بنی ہاشم اور بنی المطلب پر فاقوں کی نوبت آگئی۔ مگر ابولہب کا حال یہ تھا کہ جب مکہ میں کوئی تجارتی قافلہ آتا اور شعبِ ابی طالب کے محصورین میں سے کچھ لوگ خوراک کا سامان خریدنے کے لیے اس کے پاس جاتے تو یہ تاجروں سے پکار کر کہتا کہ ان سے اِتنی قیمت مانگو کہ یہ خرید نہ سکیں، تمہیں جو خسارہ بھی ہوگا اُسے میں پورا کروں گا۔ چنانچہ وہ بے تحاشا قیمت طلب کرتے اور خریدار بیچارہ اپنے بھوک سے تڑپتے ہوئے بال بچوں کے پاس خالی ہاتھ

پلٹ جاتا۔ پھر ابولہب انہی تاجروں سے وہی چیزیں بازار کے بھاؤ خرید لیتا (ابن سعد و ابن ہشام)

اُس کی مخالفت دعوت اسلامی کے کام میں کیا رکاوٹ ڈال رہی تھی مکّہ سے باہر کے اہل عرب جو حج کے لیے آتے، یا مختلف مقامات پہ لگنے والے بازاروں میں جمع ہوتے، ان کے سامنے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا چچا آپ کے پیچھے لگ کر آپ کی مخالفت کرتا، تو وہ عرب کی معروف روایات کے لحاظ سے یہ بات خلافِ توقع سمجھتے تھے کہ کوئی چچا بلا وجہ دوسروں کے سامنے خود اپنے بھتیجے کو بُرا بھلا کہے اور اسے پتھر مارے اور اس پر الزام تراشیاں کرے۔ اِس وجہ سے وہ ابولہب کی بات سے متاثر ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں شک میں پڑ جاتے اور کہتے کہ آپ کے رشتہ دار آپ کو زیادہ جانتے ہیں۔

اُس کی بیوی کا رویّہ ابولہب کی بیوی، جسے سورۂ لہب میں حَمَّالَةَ الْحَطَبِ (لکڑیاں ڈھونے والی، یا لگائی بجھائی کرنے والی) کہا گیا ہے بنی امیہ میں سے ابوسفیان کی بہن تھی۔ اصل نام اِس عورت کا اَرْوٰی تھا اور اُمِّ جمیل اس کی کنیت تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عداوت میں یہ اپنے شوہر سے کسی طرح کم نہ تھی۔ حضرت ابوبکرؓ کی صاحبزادی حضرت اسماءؓ کا بیان ہے کہ جب سورۂ لہب نازل ہوئی اور اُمِّ جمیل نے اس کو سُنا تو وہ بپھری ہوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں نکلی۔ اس کے ہاتھ میں مُٹھی بھر پتھر تھے تاکہ اُن سے آپ کو مارے اور وہ آپ کی ہجو میں اپنے ہی کچھ اشعار پڑھتی جاتی تھی۔ حرم میں پہنچی تو وہاں حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ حضورؐ تشریف فرما تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا یا رسولؐ اللہ، یہ آ رہی ہے اور مجھے اندیشہ ہے کہ آپ کو دیکھ کر یہ کوئی بیہودگی کرے گی۔ حضورؐ نے فرمایا یہ مجھ کو نہیں دیکھ سکے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ آپ کے موجود ہونے کے باوجود وہ آپ کو نہ دیکھ سکی اور اس نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا کہ میں نے سُنا ہے تمہارے صاحب نے میری ہجو کی ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا، اِس گھر کے خدا کی قسم اُنہوں نے تو تمہاری کوئی ہجو نہیں کی[1]۔ اس پر وہ واپس چلی گئی (ابن ابی حاتم، ابن ہِشام، بزّار نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے بھی اسی سے ملتا جلتا واقعہ نقل کیا ہے)۔

ابولہب کا انجام اگرچہ قرآن مجید میں سورۂ لہب کے نزول پہ ابولہب اور اس کی بیوی اور اس کے گھر والے بہت بلبلائے، مگر اس میں جو کچھ فرمایا گیا تھا وہ پتھر کی لکیر تھا۔ فرمایا گیا "ٹوٹ گئے ابولہب کے ہاتھ" یہ ایک

---

[1] حضرت ابوبکرؓ کے اس جواب کا مطلب یہ تھا کہ ہجو تو اللہ تعالیٰ نے کی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کی۔

پیشنگوئی تھی جو صیغۂ ماضی میں اس لیے بیان کی گئی کہ اس کا پورا ہونا ایسا یقینی تھا جیسے کہ وہ پوری ہوچکی۔ ہاتھ ٹوٹنے سے مراد جسمانی ہاتھ ٹوٹنا نہیں بلکہ کسی شخص کا اپنے اُس مقصد میں قطعی ناکام ہوجانا ہے جس کے لیے اس نے اپنا پورا زور لگادیا ہو۔ چنانچہ واقعی یہی ہوا کہ حضورؐ کی مخالفت شروع کرنے کے بعد چند سال ہی کے اندر ابولہب ایسی ناکامی سے دوچار ہوا جو سخت عبرتناک تھی۔ جنگ بدر میں قریش کے اکثر و بیشتر وہ بڑے بڑے سردار مارے گئے جو اسلام کی دشمنی میں اُس کے ساتھی تھے۔ مکہ میں اِس شکست کی خبر پہنچی تو اُس کو اتنا رنج ہوا کہ وہ سات دن سے زیادہ زندہ نہ رہ سکا۔ موت بھی اس کو عَدَسَہ (MALIGNANT PUSTULE) نامی بیماری سے آئی جو طاعون سے ملتی جلتی ہوتی ہے۔ اُس کے گھر والوں تک نے اسے مرنے کے لیے چھوڑ دیا کیونکہ انہیں چھوت لگنے کا ڈر تھا۔ مرنے کے بعد بھی تین روز تک کوئی اس کے پاس نہ آیا یہاں تک کہ اس کی لاش سڑ گئی اور اُس کی بو پھیلنے لگی۔ آخر جب لوگوں نے اس کے بیٹوں کو طعنے دینے شروع کیے تو ایک روایت یہ ہے کہ انہوں نے کچھ حبشیوں کو اُجرت دے کر اُس کی لاش اُٹھوائی اور اُنہی مزدوروں نے اسے دفن کیا۔ اور دوسری روایت یہ ہے کہ انہوں نے ایک گڑھا کھدوایا اور لکڑیوں سے اس کی لاش کو دھکیل کر اس میں پھینکا اور اُوپر سے مٹی پتھر ڈال کر اسے ڈھانک دیا۔ پھر اس کی مزید اور مکمل شکست اِس طرح ہوئی کہ جس دین کی راہ روکنے کے لیے اُس نے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا تھا اُسی دین کو اس کی اولاد نے قبول کیا۔ سب سے پہلے اس کی بیٹی دُرّہؓ ہجرت کرکے مکہ سے مدینے پہنچیں اور اسلام لائیں۔ پھر فتح مکہ کے موقع پر اس کے دونوں بیٹے عُتبہؓ اور مُعتّبؓ حضرت عباسؓ کی وساطت سے حضورؐ کے سامنے پیش ہوئے اور ایمان لاکر انہوں نے آپ کے دست مبارک پر بیعت کی۔

تبلیغ عام | اپنے خاندان اور قبیلے کے لوگوں تک خدا کا پیغام پہنچانے سے فارغ ہوکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ اور عرب کے لوگوں میں عام تبلیغ کا سلسلہ شروع کیا اور رجب تک آپ مکہ میں مقیم رہے، دس سال مسلسل ہر حال میں اور ہر جگہ لوگوں کو قرآن سُناتے اور اللہ کا دین قبول کرنے کی دعوت دیتے رہے۔ نجی مجلسوں میں بھی، برسرِعام بھی، حرم میں بھی، آپ نے یہ کام جاری رکھا اور کوئی طاقت آپ کو اس سے باز نہ رکھ سکی۔ باہر سے جو لوگ تجارت، یا عمرہ و زیارت یا کسی اور غرض سے مکے آتے ان سے بھی آپ ملاقاتیں کرتے رہے، عُکاظ، مَجَنّہ، اور ذی المجازؔ[1] کے میلوں میں بھی جاجا کر قبائل کے لوگوں کو دین کی طرف بلاتے رہے، اور حج کے زمانے میں

---

[1] منیٰ کے علاوہ یہ تین مقامات ایسے تھے جہاں عرب کے ہر حصے کے لوگ آتے اور بڑے بڑے میلے لگتے تھے (باقی حاشیہ برصفحہ ۲۱)

جب لوگ منیٰ میں قیام کرتے تھے اس وقت بھی آپ ایک ایک قبیلے کے پڑاؤ پر جاتے اور خاص و عام سب کو پیغامِ حق پہنچانے میں اپنی طرف سے کوئی کسر نہ اُٹھا رکھتے تھے۔ خواہ کوئی قبول کرے یا نہ کرے، خاموشی سے سُن لے یا تلخ جواب دے، سختی سے پیش آئے یا شیاطینِ قریش آپ کی مزاحمت کریں، آپ کو اپنے کام سے کام تھا اور اس سے کوئی آپ کو نہ روک سکا۔

ابن جریر طبری اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں، اور ابن اثیر نے بھی یہی لکھا ہے کہ قریش کے معاشی و معاشرتی مقاطعے اور شعبِ ابی طالب کی محصوری کے سخت ترین زمانے میں بھی آپ دعوت و تبلیغ سے باز نہ رہے بلکہ خفیہ اور علانیہ، شب و روز دعوت دیتے رہے، قرآن مجید کی سورتیں اور آیتیں، جو اُس دور میں بارش کی طرح برس رہی تھیں، انہیں آپ علی الاعلان سُناتے رہے، کفار کی حجتوں کا توڑ کرتے رہے، ان کے شبہات و اعتراضات کے جواب دیتے رہے، اور انہیں حق کا قائل کرنے کی کوشش آپ نے برابر جاری رکھی۔

ابن سعد نے لکھا ہے کہ خفیہ دعوت کا زمانہ ختم ہونے کے بعد دس سال تک آپ کا یہ طریقہ رہا کہ آپ منیٰ، عکاظ، مجنّہ اور ذی المجاز میں ایک ایک قبیلے کے پڑاؤ پر تشریف لے جاتے اور فرماتے یاایھا الناس قولوا لآ اِلٰہ الّا اللہ تفلحوا وتملکوا بھا العرب وتذل لکم العجم واذا اٰمنتم کنتم ملوکاً فی الجنۃ - "لوگو، کہو لاالٰہ الا اللہ، فلاح پاؤ گے اور اس کلمے کی بدولت عرب کے حاکم بن جاؤ گے اور عجم تمہارا مطیع ہو جائے گا، اور جب تم ایمان لے آؤ گے تو جنت میں تم بادشاہ ہو گے۔" پیچھے پیچھے ابولہب آکر جب آپ کی مخالفت کرتا تو لوگ کہتے کہ تمہارے اپنے خاندان، قبیلے اور بستی کے لوگ تم کو زیادہ جانتے ہیں جب

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰) سب سے بڑا میلہ عکاظ کے مقام پر لگتا تھا (جو اونٹ کی رفتار کے مطابق) طائف سے ایک دن اور مکہ سے تین دن کی مسافت پر واقع تھا۔ یہاں شوال کے آغاز سے آخر تک بہت بڑا اجتماع ہوتا تھا جس میں صرف خرید و فروخت ہی نہ ہوتی تھی بلکہ شاعر، خطیب، امراء، رؤسا سب ہی آتے تھے۔ شاعری اور خطابت کے مقابلے ہوتے تھے۔ قبائل کے آپس کے جھگڑے بھی طے ہوتے تھے۔ اسیروں کو چھڑانے کے لیے فدیے بھی ادا کیے جاتے تھے۔ اور ایک دوسرے کے خلاف لوگوں کے دعوے بھی پنچائتوں کے سامنے پیش ہوتے تھے۔ پھر یکم ذی العقدہ سے مَرُّ الظّہران (موجودہ وادی فاطمہ) میں لوگ جمع ہونے شروع ہوتے اور ذی القعدہ کے آخری دس دنوں میں مَجَنّہ نامی پہاڑ کے قریب میلہ لگتا۔ پھر ذی الحجہ کے پہلے آٹھ دنوں میں منیٰ اور عرفات کے درمیان ذی المجاز کا آخری میلہ لگتا تھا، جس کے بعد ایامِ حج شروع ہو جاتے اور منیٰ میں تمام عرب سے آئے ہوئے حجاج جمع ہو جاتے تھے۔

انہوں نے تمہاری پیروی قبول نہ کی تو ہم کیسے کریں ؟ یہ جواب سن کر حضورؐ بس یہ کہہ کر رہ جاتے اللّٰھم لو شئت لم یکونوا ھٰکذا ۔ "خداوندا، اگر تو چاہتا تو یہ ایسے نہ ہوتے"۔

طبرانی نے حرث بن الحرث اور منبت الازدی سے قریب قریب ایک ہی مضمون کی روایتیں نقل کی ہیں جن میں وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے ایک جگہ دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو توحید کی دعوت دے رہے ہیں اور فرماتے جاتے ہیں کہ لوگو، کہو لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ، فلاح پاؤ گے ۔ اس پر لوگ آپ کو اذیتیں دے رہے ہیں ۔ کوئی تھوک رہا ہے اور کوئی آپ پر خاک پھینک رہا ہے اور کوئی آپ کو گالیاں دے رہا ہے ۔ یہاں تک کہ دوپہر ہو گئی اور وہ لوگ چلے گئے ۔ پھر ایک لڑکی پانی کا بڑا پیالہ اور رومال لیے ہوئے آئی، جس کا گلا سامنے سے کھلا ہوا تھا ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی پیا اور وضو فرمایا ۔ پھر لڑکی سے کہا بیٹی، اپنا گلا ڈھانکو ۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ یہ ان کی صاحبزادی زینبؓ ہیں ۔

ابن ہشام نے ابن اسحاق کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حضورؐ ہر میلے اور اجتماع میں تشریف لے جاتے اور اپنی دعوت پیش کرتے تھے ۔ اِسی طرح مکہ میں جو قابلِ ذکر شخص بھی عرب کے کسی مقام سے آتا آپ اس سے ملتے اور اسے خدا کا دین پہنچاتے تھے ۔

ابن کثیر البدایہ والنہایہ میں لکھتے ہیں کہ حضورؐ شب و روز خفیہ اور علانیہ دعوت دیتے رہے اور کسی کے روکے نہ رُکے ۔ لوگوں کی مجلسوں، محفلوں اور مجمعوں میں جاتے اور دعوت دیتے ۔ میلوں اور حج کی اقامت گاہوں میں جاتے اور دعوت دیتے ۔ آزاد، غلام، ضعیف، قوی، غنی، فقیر غرض ہر طبقے کے لوگوں سے ملتے اور اللہ کی طرف بلاتے ۔

اِن تاریخی بیانات کی پوری تائید قرآن مجید کی مکی سورتوں سے ہوتی ہے جو قریش کے اعتراضات والزامات کے حوالوں سے بھری پڑی ہیں ۔ ظاہر ہے کہ اگر قرآن کھلم کھلا ان کو نہ سُنایا گیا ہوتا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نبوت تسلیم کرنے کی دعوت علی الاعلان ان کو نہ دی ہوتی تو وہ آپ پر، قرآن پر، آخرت پر اور اسلام کی تعلیمات پر اعتراضات، الزامات اور شبہات کی بوچھاڑ کیسے اور کیوں کرتے ؟ اور پھر اُن کے جوابات قرآن میں دینے کا حاصل کیا تھا اگر وہ معترضین کو سُنائے نہ جاتے ؟

حضورؐ کا اخلاقی رعب سوال یہ ہے کہ آخر وہ بات کیا تھی جس کی وجہ سے قریش کے لوگ نہ حضورؐ کو حرم میں نماز پڑھنے سے روک سکے اور نہ علانیہ قرآن سُنانے سے باز رکھ سکے، حالانکہ یہ دونوں چیزیں ہی اُن کو سخت ناگوار

تھیں، اور کوئی دوسرا مسلمان ان میں سے کوئی فعل کرنے کی جرأت نہ کر سکتا تھا، یا جرأت کرتا تو سخت مار کھائے بغیر نہ رہ سکتا تھا؟ حقیقت یہ ہے کہ اِس کی اصل وجہ صرف یہی نہ تھی کہ بنی ہاشم اور بنی المطّلب حضورؐ کی حمایت میں کٹ مرنے کے لیے تیار تھے اور قریش کے لوگ اِس کی وجہ سے خائف تھے۔ بلکہ اِس کا سبب حضورؐ کا وہ زبردست رُعب بھی تھا جو قریش کے لوگوں پر طاری تھا۔ وہ آپ کی دعوت پر بُری طرح پیچ و تاب کھاتے تھے، گالیاں دیتے تھے، پتھر مارتے تھے، ہر طرح سے آپ کی دل آزاری کرتے تھے، مگر اس رعب نے اُن کو اندر سے اِس قدر کھوکھلا کر دیا تھا کہ وہ آپ کو رسالت کے کام سے روک دینے کی ہمت نہ کر سکتے تھے۔

اس رعب کے کئی وجوہ تھے۔ ایک وجہ یہ تھی کہ بچپن سے مسلسل آپ کے متعلق ایسی باتیں اُن کے علم و مشاہدے اور تجربے میں آتی رہی تھیں جن کے باعث پوری قوم آپ کے متعلق پہلے سے جانتی تھی کہ یہ ایک غیر معمولی شخصیت ہے جو اُن کے ہاں پیدا ہوئی ہے۔ اِسی بنا پر نبوت سے پہلے بھی آپ کا بڑا احترام مکّے میں پایا جاتا تھا۔

دوسری وجہ یہ تھی کہ آپ کی زبان مبارک سے کبھی کوئی غلط بات لوگوں نے نہ سُنی تھی، اور لوگ یہ سمجھتے تھے کہ جو بات آپ کے منہ سے نکلتی ہے وہ پوری ہو کر رہتی ہے۔ اِس لیے وہ ڈرتے تھے کہ کہیں آپ کی زبان سے اُن کے بارے میں کوئی ایسی بات نہ نکل جائے جو اُن کی شامت لے آئے۔ ابھی چند سطور پہلے یہ قصہ گزر چکا ہے کہ ابولہب جیسے دشمن نے جب اپنے بیٹے کے حق میں حضورؐ سے بد دُعا کا کلمہ سُنا تو وہ سخت خوفزدہ ہو گیا۔ شام کے سفر میں اپنے ساتھیوں سے اُس نے کہا کہ اس لڑکے کی حفاظت میں میری مدد کرو، کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق جو بات کہی ہے اس کی وجہ سے مجھے اس کی جان کا ڈر ہے۔ مگر اس کی ساری احتیاطیں لاحاصل ثابت ہوئیں اور اس لڑکے کو واقعی خدا کے ایک "کُتّے" نے اُونٹوں کے حلقے میں سے گزر کر پھاڑ کھایا۔

تیسری وجہ حضورؐ کا بے داغ کردار تھا جس پر حرف رکھنے کی کوئی گنجائش نہ تھی، آپ کا بلند ترین اور پاکیزہ ترین اخلاق تھا جس کی ساری قوم معترف تھی، آپ کا حسن سلوک تھا جس سے مکہ اور اطرافِ مکّہ کے سینکڑوں لوگ فیضیاب ہوئے اور ہوتے رہتے تھے، آپ کی صداقت، دیانت اور امانت تھی جس کی وجہ سے دشمن بھی آپ پر اعتماد کرتے تھے، حتیٰ کہ مدینہ کی طرف ہجرت کرتے وقت تک ابن جریر کے بقول حالت یہ تھی کہ مکہ میں کوئی شخص ایسا نہ تھا جو اپنی کسی قیمتی چیز کی حفاظت کا خواہشمند ہو اور وہ اُس امانت کی حفاظت کے لیے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی اور پر بھروسہ کر سکتا ہو۔

اس اخلاقی رعب کی وجہ سے آپ کے بدترین دشمن بھی آپ کے مقابلے میں آکر سٹی گُم کر بیٹھتے تھے اور آپ کے

سامنے دم مارنے کی جرأت نہ کر سکتے تھے۔ اس کا اندازہ تین واقعات سے کیا جا سکتا ہے جو ابوجہل جیسے شدید اور جرمی دشمن کے ساتھ آپ کو پیش آئے۔

ابوجہل کی مرعوبیت کا ایک واقعہ

ابن اسحاق کا بیان ہے کہ ایک دفعہ اِراشؔ [1] کا ایک شخص کچھ اونٹ لے کر مکہ آیا۔ ابوجہل نے اُس کے اونٹ خرید لیے اور جب اس نے قیمت طلب کی تو ٹال مٹول کرنے لگا۔ اِراشی نے تنگ آکر ایک روز حرمِ کعبہ میں قریش کے سرداروں کو جا پکڑا اور مجمع عام میں فریاد شروع کر دی۔ دوسری طرف حرم کے ایک گوشے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے۔ سردارانِ قریش نے اُس شخص سے کہا کہ "ہم کچھ نہیں کر سکتے، دیکھو، وہ صاحب جو اُس کونے میں بیٹھے ہیں، اُن سے جا کر کہو، وہ تم کو تمہارا روپیہ دلوا دیں گے"۔ اِراشی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف چلا، اور قریش کے سرداروں نے آپس میں کہا "آج لطف آئے گا"۔ اِراشی نے جا کر حضورؐ سے اپنی شکایت بیان کی۔ آپؐ اسی وقت اُٹھ کھڑے ہوئے اور اُسے ساتھ لے کر ابوجہل کے مکان کی طرف روانہ ہو گئے۔ سرداروں نے ایک آدمی پیچھے لگا دیا کہ جو کچھ گذرے اس کی خبر لا کر دے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سیدھے ابوجہل کے دروازے پر پہنچے اور کنڈی کھٹکھٹائی۔ اس نے پوچھا "کون؟" آپ نے جواب دیا "محمدؐ"۔ وہ حیران ہو کر باہر نکل آیا۔ آپ نے اُس سے کہا "اِس شخص کا حق ادا کر دو"۔ اس نے جواب میں کوئی چون وچرا نہ کی، سیدھا اندر گیا اور اس کے اونٹوں کی قیمت لا کر اس کے ہاتھ میں دے دی۔ قریش کا مُخبر یہ حال دیکھ کر حرم کی طرف دوڑا اور سرداروں کو سارا ماجرا سُنا دیا اور کہنے لگا کہ واللہ آج وہ عجیب معاملہ دیکھا جو کبھی نہ دیکھا تھا، حَکَم بن ہِشام (ابوجہل) جب نکلا تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو دیکھتے ہی اس کا رنگ فق ہو گیا اور جب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس سے کہا کہ اِس کا حق ادا کر دو تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ جیسے اُس کے جسم میں جان نہیں ہے۔ (ابن ہِشام، جلد ۲، ص ۲۹، ۳۰۔ بلاذری نے بھی انساب الاشراف جلد اوّل میں اس واقعہ کو نقل کیا ہے۔ ص ۱۲۸، ۱۲۹)۔

دوسرا واقعہ

دوسرا واقعہ قاضی ابوالحسن الماوَرْدِی نے اپنی کتاب اَعلام النبوۃ میں لکھا ہے۔ ابوجہل ایک یتیم کا وصی تھا۔ وہ بچہ ایک روز اِس حالت میں اُس کے پاس آیا کہ اس کے بدن پر کپڑے تک نہ تھے اور اس نے

[1] یہ ایک مقام کا نام ہے جیسا کہ یاقوت نے مُعجَم البُلدان میں لکھا ہے۔ ممکن ہے وہاں کے رہنے والے قبیلے کا نام بھی اِراش ہی ہو۔

التجا کی کہ اس کے باپ کے چھوڑے ہوئے مال میں سے وہ اسے کچھ دے دے۔ مگر اس ظالم نے اس کی طرف توجہ تک نہ کی اور وہ کھڑے کھڑے آخر کار مایوس ہو کر پلٹ گیا۔ قریش کے سرداروں نے از راہ شرارت اس سے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جا کر شکایت کر، وہ ابوجہل سے سفارش کر کے تجھے تیرا مال دلوا دیں گے۔ بچہ بے چارہ ناواقف تھا کہ ابوجہل کا حضورؐ سے کیا تعلق ہے اور یہ بدبخت اسے کس غرض کے لیے یہ مشورہ دے رہے ہیں۔ وہ سیدھا حضورؐ کے پاس پہنچا اور اپنا حال آپ سے بیان کیا۔ آپ اسی وقت اُٹھ کھڑے ہوئے اور اسے ساتھ لے کر اپنے بدترین دشمن ابوجہل کے ہاں تشریف لے گئے۔ آپ کو دیکھ کر اس نے آپ کا استقبال کیا اور جب آپ نے فرمایا کہ اِس بچے کا حق اسے دے دو، تو وہ فوراً مان گیا اور اس کا مال لا کر اسے دے دیا۔ قریش کے سردار تاک میں لگے ہوئے تھے کہ دیکھیں اِن دونوں کے درمیان کیا معاملہ پیش آتا ہے۔ وہ کسی مزے دار جھڑپ کی اُمید کر رہے تھے۔ مگر جب انہوں نے یہ معاملہ دیکھا تو حیران ہو کر ابوجہل کے پاس آئے اور اسے طعنہ دیا کہ تم بھی اپنا دین چھوڑ گئے؟ اس نے کہا خدا کی قسم میں نے اپنا دین نہیں چھوڑا۔ اگر مجھے ایسا محسوس ہوا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دائیں اور بائیں ایک ایک حربہ ہے جو میرے اندر گھس جائے گا اگر میں نے ذرا بھی ان کی مرضی کے خلاف حرکت کی۔

ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیسا زبردست رعب آپ کے بدترین دشمنوں تک پر طاری تھا۔

تیسرا واقعہ بَلاذُری کا بیان ہے کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اور حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت سعدؓ بن ابی وَقاص مسجدِ حرام میں تشریف فرما تھے کہ بنی زُبَید کا ایک آدمی آیا اور اس نے کہا، قریش کے لوگو، تمہارے ہاں کون تجارتی مال لانے کی ہمت کرے گا جبکہ باہر سے آنے والوں کو تم لوٹ لیتے ہو؟ حضورؐ نے پوچھا تم پر کس نے ظلم کیا ہے؟ اس نے کہا ابوالحکم (یعنی ابوجہل) نے۔ اس نے میرے تین بہترین اُونٹ خریدنے کی خواہش ظاہر کی اور ان کی قیمت بہت کم لگائی۔ اب اس کے مقابلے میں کوئی شخص اِن اونٹوں کو اُس کی لگائی ہوئی قیمت سے زیادہ پر خریدنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ اور اس قیمت پر بیچ دوں تو سخت نقصان اُٹھاؤں۔ حضورؐ نے اس سے تینوں اُونٹ خود خرید فرما لیے۔ ابوجہل دُور بیٹھا ہوا خاموشی سے یہ ماجرا دیکھ رہا تھا۔ حضورؐ اس کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا خبردار جو تم نے پھر کسی کے ساتھ ایسی حرکت کی جو اِس غریب بدّو کے ساتھ کی ہے، ورنہ میں بُری طرح پیش آؤں گا۔ وہ کہنے لگا آئندہ میں کبھی ایسا نہ کروں گا۔ اس پر اُمیہ بن خَلَف اور دوسرے مشرکین جو وہاں موجود تھے، ابوجہل کو شرم دلانے لگے کہ تم نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سامنے ایسی کمزوری دکھائی کہ شبہ ہوتا ہے شاید

تم ان کی پیروی اختیار کرنے والے ہو۔ اس نے کہا بخدا میں ان کی کبھی پیروی نہ کروں گا۔ مگر میں نے دیکھا کہ ان کے دائیں اور بائیں کچھ نیزہ بردار کھڑے ہیں اور میں ڈرا کہ میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حکم کی ذرا سرتابی کی تو وہ مجھ پر ٹوٹ پڑیں گے۔ (انساب الاشراف۔ جلد اول۔ ص ۱۳۰)

مخالفین آپ کی صداقت کے معترف تھے | اس کے علاوہ ایک اہم وجہ یہ بھی تھی کہ حضورؐ کے شدید ترین مخالفین بھی دلوں میں حضورؐ کی صداقت کے معترف تھے، اور اپنے آپ کو خود جھوٹا جانتے تھے، مگر بدنیتی، جاہلانہ حمیّت، دین آبائی کے تعصب اور اپنی اغراض کی خاطر مخالفت کر رہے تھے۔ یہ کمزوری جن لوگوں کے دلوں میں موجود تھی، وہ آپ کی راہ روکنے کے لیے ہر طرح کے ہتھکنڈے استعمال کر سکتے تھے، مگر آپؐ کو سچا اور اپنے آپ کو جھوٹا جانتے ہوئے ان کے اندر آپؐ کا سامنا کرنے کی ہمت نہ تھی۔ اس سلسلے میں متعدد تاریخی مثالیں ہم آگے چل کر پیش کریں گے۔ یہاں صرف ابوجہل کے متعلق ہم بتانا چاہتے ہیں کہ حضورؐ کا یہ سب سے بڑا دشمن کس طرح بار بار آپ کی صداقت کا اعتراف کر چکا تھا، اور اپنی مخالفت کے اصل وجوہ کس بھونڈے طریقے سے بیان کرتا تھا۔

بیہقی نے زید بن اسلم کے حوالہ سے حضرت مُغیرہ بن شُعبہ کا بیان نقل کیا ہے کہ اپنے زمانۂ شرک میں پہلی مرتبہ ان کی ملاقات حضورؐ سے کس طرح ہوئی تھی۔ وہ کہتے ہیں کہ میں اور ابوجہل مکّہ کے ایک راستے سے گذر رہے تھے۔ اتنے میں حضورؐ ہمیں مل گئے۔ آپؐ نے ابوجہل سے فرمایا "اے ابوالحکم، آجاؤ اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف، میں تمہیں اللہ کی طرف بلاتا ہوں"۔ وہ بولا "اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا تم ہمارے معبودوں کی برائی کرنے سے باز آتے ہو؟ تم یہی چاہتے ہو نا کہ ہم اس بات کی شہادت دے دیں کہ تم نے بات پہنچا دی؟ تو ہم شہادت دیئے دیتے ہیں کہ تم نے بات پہنچا دی۔ مگر خدا کی قسم اگر میں جانتا کہ تم حق پر ہو تو میں تمہاری پیروی اختیار کر لیتا"۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آگے روانہ ہو گئے۔ پھر ابوجہل میری طرف پلٹا اور بولا "خدا کی قسم، میں جانتا ہوں کہ جو کچھ یہ شخص کہتا ہے وہ حق ہے، لیکن ایک چیز مجھے روکتی ہے۔ قُصَیّ کی اولاد نے کہا کہ حجابت ہم میں رہے گی۔ ہم نے کہا ہاں۔ انہوں نے کہا سقایت بھی ہم میں رہے گی۔ ہم نے اس کو بھی مان لیا۔ انہوں نے کہا ندوہ بھی ہم ہی میں ہوگا۔ ہم نے اسے بھی تسلیم کیا۔ پھر انہوں نے کہا لواء بھی ہمارے پاس ہی رہے گا۔ ہم نے اس پر بھی ہاں کر دی۔ پھر انہوں نے بھی کھانے کھلائے اور ہم نے بھی کھلائے یہاں تک کہ جب ہمارے گھٹنے اُن کے گھٹنوں سے ٹکرانے لگے تو وہ کہتے ہیں ہم میں ایک نبی ہے۔ خدا کی قسم یہ میں نہیں مانوں گا"۔

ابن ابی حاتم نے ابو یزید مدنی کے حوالہ سے یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ ایک دفعہ ابوجہل سے حضورؐ کی ملاقات ہو گئی

اور اس نے آپؐ سے مصافحہ کیا۔ ایک شخص نے اس سے کہا کہ میں یہ کیا دیکھ رہا ہوں کہ تم اس صابی (دین سے پھرے ہوئے آدمی) سے مصافحہ کر رہے ہو؟ ابوجہل نے علٰحدگی میں اس سے کہا "بخدا میں جانتا ہوں کہ واقعی یہ نبی ہیں، مگر ہم کب سے بنی عبدِ مناف کے تابع ہوئے؟"

امام سُفیان ثَوری، ترمذی، اور حاکم نے حضرت علی کی روایت بیان کی ہے کہ ابوجہل نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ "ہم تمہیں جھوٹا قرار نہیں دیتے، مگر جو چیز تم لے کر آئے ہو اُسے جھٹلاتے ہیں"۔

بیہقی اور ابن ہشام نے ابن اسحاق سے اور انہوں نے امام زُہری سے یہ دلچسپ واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک روز رات کو ابوجہل، ابوسفیان اور اَخنَس بن شَرِیق الگ الگ نکلے، تاکہ رات کی نماز میں حضورؐ جو قرآن پڑھتے ہیں اسے سُنیں۔ تینوں کو ایک دوسرے کی خبر نہ تھی۔ صبح ہوئی تو انہوں نے ایک دوسرے کو دیکھ لیا، باہم ملامت کی اور عہد کیا کہ پھر ایسا نہ کریں گے، کیونکہ اگر لوگوں نے ہمیں اس طرح قرآن سُنتے دیکھ لیا تو ان کے دلوں میں یہ بات گھر کر جائے گی۔ دوسرے روز پھر ایسا ہی ہوا اور صبح ایک دوسرے کو دیکھ کر انہوں نے پھر عہد کیا کہ آئندہ ایسا نہ کریں گے۔ تیسرے روز جب پھر وہی کچھ ہوا جس کے نہ کرنے کا انہوں نے عہد کیا تھا، تو اخنس اپنی لاٹھی سنبھال کر پہلے ابوسفیانؓ کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ "ابوحَنظَلَہ، مجھے ٹھیک ٹھیک بتاؤ کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے جو کچھ تم نے سُنا ہے اس کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟" اس نے کہا "ابوثَعلَبَہ، واللہ میں نے وہ باتیں سُنی ہیں جنہیں میں سمجھتا ہوں اور یہ بھی سمجھتا ہوں کہ ان سے کیا مراد ہے، اور کچھ باتیں ایسی بھی ہیں جن کے معنی و مراد کو میں نہیں سمجھتا"۔ اخنس نے کہا میرا بھی یہی حال ہے[1]۔ پھر وہ ابوجہل کے پاس گیا اور کہا ابوالحَکَم، جو کچھ تم نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

---

[1] اِصابہ میں حافظ ابن حجرؒ نے امام زُہری کی جو روایت اس قصے کے متعلق حضرت سعید بن المُسَیَّب سے نقل کی ہے اس میں یہ ہے کہ ابوسفیان نے اخنس سے پوچھا کہ تمہاری کیا رائے ہے؟ اس نے کہا کہ میں تو اسے حق سمجھتا ہوں۔ اس کی مزید تائید حضرت معاویہؓ کی اُس روایت سے ہوتی ہے جسے طَبَرانی نے اَوسَط میں نقل کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں ایک دفعہ میرے باپ ابوسفیان میری ماں ہند کو اپنے ساتھ ایک گدھی پر بٹھائے ہوئے اپنے صحرائی علاقے کی طرف جا رہے تھے، اور میں ایک گدھی پر ان کے آگے آگے چل رہا تھا۔ اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں راستے میں مل گئے۔ میرے والد نے مجھ سے کہا، معاویہ، تم اُتر جاؤ تاکہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہاری گدھی پر سوار ہو جائیں۔ چنانچہ میں اُتر گیا اور آپؐ اس پر سوار ہو گئے۔ پھر آپ نے میرے والد اور والدہ کو مخاطب کر کے فرمایا اے ابوسفیان، اور اے ہند بنت عُتبہ، خدا کی قسم تم سب لوگ ایک وقت مرو گے،

(باقی حاشیہ بر صفحہ ۲۸)

سے سُنا ہے اس کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے ؟ اس نے کہا "سُنا کیا ہے ؟ ہم میں اور بنی عبد مناف میں مقابلہ تھا کہ کون شرف میں بڑھ کر ہے ۔ انہوں نے بھی کھانے کھلائے اور ہم نے بھی ۔ انہوں نے بھی ذمہ داریوں کے بار اُٹھائے اور ہم نے بھی اُٹھائے ، انہوں نے بھی مال دیے اور ہم نے بھی دیے ۔ یہاں تک کہ جب ہم اور وہ برابر کی ٹکر ہوگئے تو وہ کہنے لگے کہ ہم میں ایک نبی ہے جس کے پاس آسمان سے وحی آتی ہے ۔ اب یہ ہم کہاں سے پائیں ۔ خدا کی قسم ہم اسے نہیں مانیں گے اور نہ اس کی تصدیق کریں گے"۔ تقریباً یہی بات ابوجہل نے اَخنَس بن شَرِیق سے اُس وقت کہی تھی جب وہ جنگِ بدر کے موقع پر اس سے تنہائی میں ملا تھا ۔ ابن جریر طبری نے تفسیر میں سُدِّی کے حوالہ سے یہ بات نقل کی ہے کہ اخنس نے اُس سے کہا اس وقت میرے اور تمہارے سوا کوئی تیسرا نہیں ہے ۔ مجھے ٹھیک ٹھیک بتاؤ کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) صادق ہیں یا کاذب ؟ اس نے جواب دیا" خدا کی قسم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) صادق ہیں ۔ وہ کبھی جھوٹ نہیں بولے ہیں ، مگر جب بنی قُصَیّ لواء اور حجابت اور سِقایت کے ساتھ نبوت بھی لے جائیں تو باقی قریش کے لیے کیا رہا ؟"

یہ جب ابوجہل جیسے سخت مُعانِد کا حال تھا، تو اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ باقی دشمنانِ اسلام کا کیا حال ہوگا ۔

حضورؐ کے متعلق قریش کا اعتقاد اسی سلسلے میں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ قریش کے وہی لوگ جو آپ کی مخالفت میں سرگرم تھے ، اپنے دلوں میں حضورؐ کی بزرگی کے بھی قائل تھے ۔ چنانچہ عین اُس زمانے میں جب کہ آپ سے اور مسلمانوں سے اُن کی سخت کشمکش برپا تھی ، مکہ میں ایک ہولناک قحط پڑا جس سے ساری آبادی چیخ اُٹھی ۔ اُس وقت مکہ کے سردار حضورؐ ہی کے پاس حاضر ہوئے کہ آپ اپنی قوم کو اس آفت سے نجات دلانے کے لیے دُعا فرمائیں ۔ امام بخاری اور بیہقی نے تھوڑے سے لفظی اختلاف کے ساتھ مسروق کے حوالہ سے حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ قریش آپ کے مقابلے میں سرکشی پہ تُلے ہوئے ہیں تو آپ نے دُعا کی کہ خدایا یوسف علیہ السلام کے سات سالہ قحط کی طرح ان لوگوں کے مقابلے میں میری بھی سات برس کے قحط سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲) پھر دوبارہ زندہ کر کے اُٹھائے جاؤ گے ، پھر جو نیک ہے وہ جنت میں جائے گا اور جو بد ہے وہ جہنم میں داخل ہوگا ۔ پھر آپ نے سورۂ حٰمٓ السجدہ کی ابتدائی گیارہ آیات ان کو سُنائیں ۔ اس کے بعد آپ گدھی پر سے اُتر گئے اور میں سوار ہوگیا ۔ راستے میں میری ماں نے میرے باپ سے کہا اس ساحر کذاب کے لیے تم نے میرے بیٹے کو سواری سے اُتارا ۔ میرے باپ نے کہا خدا کی قسم ، یہ شخص نہ ساحر ہے نہ کذاب ۔

مدد فرما۔ اس پر ایسا سخت قحط پڑا کہ لوگوں نے مُردار اور ہڈیاں اور جانوروں کی کھالیں تک کھا ڈالیں۔ آخرکار ابوسفیان اور مکہ کے دوسرے متعدد لوگ آپ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ "اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ تو کہتے ہیں کہ میں رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں، اور حال یہ ہے کہ آپ کی قوم ہلاک ہوئی جا رہی ہے۔ آپ اس کے حق میں دُعا کریں"۔ اس پر آپ نے دُعا کی اور خوب بارش ہوئی یہاں تک کہ لوگ کثرتِ باراں کی شکایت لے کر آگئے۔ تب آپ نے دُعا فرمائی۔ اللّٰھم حوالینا ولا علینا (خدایا ہمارے گرد و پیش ہو، ہم پر نہ ہو)۔ اس کے بعد بادل سمٹ گئے۔ امام بخاری نے ابن عباسؓ سے بھی یہ روایت نقل کی ہے کہ ابوسفیان حضورؐ کے پاس بھوک کی فریاد لے کر آیا، کیونکہ قحط کے مارے لوگوں نے جب کچھ نہ پایا تو صُوف تک کھانے لگے۔ تب حضورؐ نے دُعا فرمائی اور اللہ نے قحط کی مصیبت دُور فرما دی۔

ان واقعات سے یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آجاتی ہے کہ قریش کے سردار براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ٹکرانے اور آپؐ کو تبلیغ عام سے زبردستی روک دینے کی کیوں ہمت نہ کر سکتے تھے۔ لیکن اس کے ساتھ ان کو یہ بھی کسی طرح گوارا نہ تھا کہ یہ تبلیغ ہوتی رہے، ان کے آبائی دین کی جڑ کٹتی رہے، ان کے نظامِ زندگی کے بالکل برعکس ایک دوسرا نظام فروغ پاتا رہے، اور لوگ اسلام قبول کرتے رہیں۔ اس لیے ان کا فیصلہ بہرحال یہی تھا کہ اس دعوت کو کسی طرح چلنے نہیں دینا ہے اور ہر قیمت پر اسے زک دینی ہے۔ اسی غصّے میں وہ کبھی حضورؐ پر بھی دست درازی کر بیٹھتے تھے، جیسا کہ آگے بیان ہوگا۔